نبوت ورسالت سے متعلق "ترجمان القرآن" کے کلامی مباحث کا جائزہ

ڈاکٹر سعید احمد*
ڈاکٹر محمد اعجاز**

ABSTRACT

In this universe, there are countless blessings of ALLAH almighty. All the above among these blessings is the way of guidance chosen for the mankind. The way which is close to the human nature and easily understandable. In this way, ALLAH the merciful sends his messenger and a divine text as well. There is no discrimination between dark and light, human and animal, good and evil before the arrival of the prophets. The souls of the human beings are at thirst for knowledge or spiritual light and the prophets quenched this thirst. This paper explores all the aspects of prophecy aimed values, specification, need, Norms, sayings, Biography with reference of the Tarjuman ul Quran literature.

Key Words: صمدیت، ترجمان القرآن، انسانیت، تفتیش، مسودات، حاسہ لمس

قرآن مجید پوری انسانیت کے لیے کتابِ ہدایت ہے اور اسے یہ اعزاز حاصل ہے کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اسے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو امامِ کائنات نے اپنی زبانِ صادقہ سے معاشرے کے بہترین لوگ قرار دیا ہے اور اس کی تلاوت کرنے پر بارگاہ صمدیت کی جانب سے ایک ایک حرف پر ثواب عنایت کیا جاتا ہے۔ دورِ صحابہ سے لے کر دورِ حاضر تک بے شمار اہل علم نے اس کی تفہیم و تشریح اور ترجمہ

* اسسٹنٹ پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور
** پروفیسر وڈائریکٹر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، لاہور

وتفسیر کرنے کی خدمات سر انجام دیں اور ائمہ محدثین نے کتب احادیث میں باقاعدہ ابواب التفسیر کے نام سے باب قائم کیے ہیں۔ ترجمان القرآن ہندوستان کی تحریک آزادی کے فعال اور پرجوش رکن مولانا ابوالکلام آزاد کی تالیف ہے۔ جس میں انہوں نے ترجمہ کے ساتھ ساتھ مختصر تفسیر اور فوائد بھی قلمبند کئے ہیں۔ تفسیر لکھنے کے دوران آپ کو قید وبند کی صعوبتیں بھی اٹھانا پڑیں اور حکومت کی جانب سے بار بار اس تفسیر کے مسودات تفتیش کی غرض سے ضبط کئے جاتے رہے، لیکن آپ نے ہمت نہ ہاری اور اس سعادت کے حصول میں مسلسل کوشاں رہے۔ اس میں پہلے مسودات گم ہو جانے کی وجہ سے آپ کو کچھ پارے ایک سے زائد بار بھی لکھنے پڑے۔ اس تفسیر کو مکمل کرنے میں آپ کو ستائیس سال کا طویل عرصہ لگ گیا۔ آخر کار آپ اس کو مکمل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ترجمان القرآن ترجمہ وتفسیر کی عام روایت سے ہٹ کر کلامی مباحث سے بھی بھرپور ہے، جو اسے دیگر تراجم میں ممتاز کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قوتیں رکھی ہیں۔ ایک قوت ملکیہ روحانیہ، دوسری قوت بہیمیہ جسمانیہ۔ قوت بہیمیہ کے امراض کو زائل کرنے کے لیے اطباء اور حکماء کو پیدا کیا اور قوت ملکیہ کی تربیت اور علاج کے لیے ایسے حضرات کو مبعوث فرمایا جو بظاہر صورت جسمانیہ کے اعتبار سے بشر ہوں، لیکن قوت ملکیہ اور روحانیہ کے اعتبار سے ملائکہ سے بھی بڑھ کر ہوں۔ ایسے حضرات کی قوت جسمانیہ، قوت ملکیہ کی ہر طرح سے محکوم اور غلام ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

قَالَ مَعْمَرٌ: وَقَالَ مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ» قِيلَ: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «وَلَا أَنَا إِلَّا أَنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ» [1]

"حضورؐ نے فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کے ساتھ شیطان نہ لگا ہوا ہو، عرض کیا گیا: یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ کے ساتھ بھی؟ فرمایا: ہاں! میرے ساتھ بھی مگر اس کے خلاف اللہ تعالیٰ نے میری مدد اس طرح کی ہے کہ وہ اسلام لے آیا ہے اور وہ سوائے بھلائی کے مجھے کوئی بات نہیں کہتا۔"

[1] ۔ الصنعانی، ابو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني، تفسير عبد الرزاق، دار الكتب العلمية، بيروت، 23:3

یعنی میری قوت بہیمیہ، قوت ملکیہ کی مطیع اور فرمانبردار رہتی ہے۔

یہ حضرات کسی وقت بشریت سے منسلخ ہو کر ملاء اعلیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور اسی حالت میں ملاء اعلیٰ سے جو علوم القاء ہوتے ہیں ان کو وحی کہتے ہیں اور انسلاخی حالت ختم ہو جانے کے بعد ان علوم کو لے کر بندگان خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور وحی کے وقت کبھی گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور کبھی فرشتہ خود سامنے آجاتا ہے۔

فرشتہ کبھی اصلی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، کبھی انسانی صورت میں سامنے آتا ہے اور ایسا ہونا کچھ بعید نہیں۔ جیسے ایک معنی مختلف الفاظ کے قالب میں ڈھل سکتا ہے، اسی طرح حقیقت ملکیہ بھی مختلف شکلوں اور صورتوں میں ظاہر ہو سکتی ہے۔ اور یہ اخذِ وحی بڑی سرعت کے ساتھ گویا طرفۃ العین میں ہو جاتا ہے۔ اسی سُرعت نزول کی وجہ سے وحی کو وحی کہا جاتا ہے۔ اس لیے وحی کے معنی لغت میں سرعت کے ہیں۔ (1)

ہر نزول وحی کے وقت ہر نبی و مرسَل کو ایک طرح کی صعوبت اور گرانی پیش آتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾ (2)

"بیشک ہم جلد ہی القاء کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام۔"

حجۃ الا اسلام امام غزالی نے اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں نبوت کی جو حقیقت بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ:

"انسان جب اس عالم وجود میں قدم رکھتا ہے تو بالکل سادہ فطرت اور علوم سے معریٰ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اس میں حاسہ لمس پیدا فرماتا ہے جس سے وہ حرارت و برودت اور رطوبت و یبوست کا ادراک کرتا ہے، لیکن وہ اس حاسہ لمس سے الوان واشکال کا ادراک نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس میں حاسہ بصر پیدا فرماتا ہے تاکہ الوان و اشکال کو دیکھ سکے اور پھر حاسہ سمع و ذوق پیدا فرماتا ہے تاکہ وہ اصوات کو سن سکے اور شراب کی لذتوں سے بہرہ مند ہو سکے، پھر سات سال کے قریب اس میں قوت ممیزہ پیدا فرماتا ہے تاکہ محسوسات سے گزر کر معقولات کا کچھ ادراک کر

---

[1] ۔الجرجانی، علی بن محمد بن علی، التعریفات، دارالکتاب العربی، بیروت، 1405ھ، 1: 307

[2] ۔المزمل 73 :5

سکے اور پھر وقت کے ساتھ اس میں قوتِ عاقلہ پیدا فرماتا ہے تاکہ وجوب اور امکان، استحالہ اور امتناع کو سمجھ سکے لیکن اس کے علاوہ ادراک کا ایک اور مرتبہ بھی ہے جو ان تمام مراتب سے بالا اور برتر ہے۔ وہاں قوت عاقلہ کی رسائی نہیں ہے اور قوت ممیزہ کے اسی مرتبہ کا نام نبوت ہے۔ جس میں امور غیبیہ اور اخرویہ کا ادراک ہوتا ہے۔ جس طرح ایک شیر خوار بچے کا قوت ممیزہ اور قوت عاقلہ سے انکار قابل التفات نہیں، اس طرح مرتبہ نبوت سے انکار بھی قابل التفات نہیں۔اس بات کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک نمونہ پیدا فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہر انسان پر حالت نیند میں کبھی صراحتاً اور کبھی تمثیلاً بہت سے غیبی امور اور آئندہ کے واقعات منکشف ہو جاتے ہیں۔

بالفرض اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کو کبھی نیند کا تجربہ نہ ہوا ہو اور وہ حقیقت منام اور ماہیت رؤیا سے بالکل بے خبر ہو، اب اس کے سامنے اگر یہ بیان کیا جائے کہ انسان رات کو مردہ کی طرح بالکل بے حس و حرکت ہو کر لیٹ جاتا ہے اور اس کے تمام احساسات سمع وبصر اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں تو اس حالت میں اس پر بعض دفعہ امور غیبیہ کا انکشاف ہوتا ہے تو یقیناً وہ شخص اس بات کا انکار کر دے گا۔ بلکہ وہ اس کے محال ہونے پر اپنے خیال سے دلیل بھی لائے گا اور کہے گا کہ بغیر اسباب و ادراک کے کسی شئے کا ادراک کیسے ممکن ہے، لیکن مشاہدہ اس کی تکذیب کرے گا اور واقفین حقیقت اس کے دلائل وبراہین پر توجہ نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ اس نادان کے انکار کا منشاء صرف یہ ہے کہ وہ ان اسباب و ادراک کو ان قوائے حاسہ میں منحصر خیال کرتا ہے۔ طب اور نجوم کے علوم معارف میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علوم محض الہامی ہیں۔ ادویہ کے عجیب و غریب خواص کہ جہاں تک نہ حس ظاہری کی رسائی ہے اور نہ عقل کی بجز الہام اور وحی انبیاء کیسے معلوم ہوسکتے ہیں۔"[1]

نبوت کی حقیقت

نبوت کی کیا حقیقت ہے، اس کے لیے کیا شرائط ہیں، متنبی اور غیر متنبی میں حد فاصل کیا ہے ؟ ان تمام سوالات کا جواب تمام اسلامی فرقوں کی جانب سے یہی دیا جاتا ہے کہ نبوت عطیہ خداوندی ہے، جس کو چاہتا ہے

[1] ۔ غزالی، محمد بن محمد، امام، المنقذ من الضلال، ترجمہ بنام خیر المقال، مترجم سید ممتاز علی، 1890ء، ص:122

دیتا ہے۔ نبوت کے لیے معجزہ شرط ہے اور یہی نبوت کی فصل اور ممیز ہیں۔اس جواب کی ابتداءاشاعرہ ظاہرین سے ہوئی اور رفتہ رفتہ تمام اسلامی فرقوں میں یہی اعتقاد پھیل گیا۔

تمام آئمہ فلاسفہ جن میں امام رازی، امام غزالی، ابن حزم، اور شاہ ولی اللہ صاحب شامل ہیں۔ان سب نے نبوت کی حقیقت اور اسکی ماہیت کی توضیح و تشریح بڑی خوبی کے ساتھ کی ہے، جس سے نبوت کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔ترجمان القرآن کے کلامی مباحث پر جانے سے پہلے ہم ان آئمہ فن کی تشریحات پر ایک نظر ڈالتے ہیں تاکہ نبوت کی کچھ نہ کچھ ماہیت ہمارے ذہن میں نقش ہو جائے۔

امام غزالی کے نزدیک نبوت کی حقیقت

امام غزالی نے نبوت کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی صفات تمام انسانوں میں یکساں پیدا نہیں کی گئی ہیں۔فہم و فراست، عقل و ذہانت مختلف افراد میں مختلف ہوتی ہیں۔اگر ایک شخص ذہین ہے تو دوسرا اس سے زیادہ ذہین اور تیسرا اس سے بھی زیادہ ذہین ہو گا۔بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ ایک شخص سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں کہ جو بظاہر قدرت انسانی سے باہر نظر آتے ہیں جو لوگ شاعری، قوت تقریر، صناعی اور ایجادات میں تمام زمانہ میں ممتاز گزرے وہ لوگ اس کی مثالیں ہیں۔یہ درجہ فطری ہوتا ہے۔پڑھنے اور لکھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ابتداءہی سے ان لوگوں میں یہ قوت مرکوز ہوتی ہے۔

اور اسی وجہ سے دوسرے اشخاص خواہ کتنی ہی کوشش کریں ان کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔انہیں فطرت میں حقائق اشیاء کے ادراک کی ایک قوت ہوتی ہے۔یہ قوت کسی میں کم ہے اور کسی میں زیادہ اور کسی میں زیادہ تر ہوتی ہے اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک پہنچتی ہے کہ کسب و تعلیم کے بغیر ان کو حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے۔ان کو کسی چیز کا بیرونی علم نہیں ہوتا، لیکن اس قوت کی وجہ سے خود بخود انکو اشیاء کا علم ہوتا جاتا ہے۔اسی قوت کا نام ملکہ نبوت ہے۔اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔[1]

امام غزالی نے "المنقذ من الضلال "میں جہاں نبوت پر بحث کی ہے وہاں لکھتے ہیں کہ جو شخص حضور

---

[1] نعمانی، شبلی، علامہ، علم الکلام اور الکلام، نفیس اکیڈمی، کراچی،(س ن) ص:229

اکرم ﷺ کے ارشادات پر غور کرے گا اس کو خود حضور ﷺ کی نبوت پر یقین ہو جائے گا۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی نبوت پر یقین آپ کے ارشادات وہدایات سے ہی کرنا چاہیے نہ کہ اس سے کہ چاند شک ہو گیا اور ڈوبا سورج واپس پلٹ آیا وغیرہ۔[1]

امام رازی کے نزدیک نبوت کی حقیقت

امام صاحب نے نبوت کی حقیقت سمجھانے کے لیے چند مقدمات درج کیے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1. انسان کا اصلی کمال حقائق اشیاء اور خیر وشر کا ادراک ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو دو قسم کی قوتیں دی گئی ہیں۔

1۔ نظری:

نظری کا کام یہ ہے کہ اشیاء کے حقائق پر غور کرے اس قوت کا کمال یہ ہے کہ حقائق اشیاء کا صحیح علم ہو یعنی جو چیز ذہن میں آئے ٹھیک اسی صورت میں آئے جو اسکی اصلی اور حقیقی صورت ہے۔

2۔ عملی:

عملی کے معنی یہ ہیں کہ کون سے افعال عمل کرنے کے قابل ہیں اور کونسے نہیں؟ اس کا ملکہ یہ ہے کہ انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو کہ جس سے خود بخود اچھے اعمال سرزد ہوں۔ ان دونوں قوتوں کے لحاظ سے افراد انسانی کی تین قسمیں ہیں۔

- وہ لوگ جو ان اوصاف میں ناقص ہیں۔
- خود کامل ہیں، لیکن ناقصوں کی تکمیل نہیں کر سکتے۔
- خود بھی کامل ہیں اور ناقصوں کو کامل بنا بھی سکتے ہیں۔

نقصان اور کمال کے درجے بڑے مختلف ہیں۔ نقصان کا درجہ اس حد تک پہنچتا ہے کہ انسان اور جانور میں صرف صورت کا فرق رہ جاتا ہے۔ اس طرح کمال کا درجہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ انسان فرشتہ بن جاتا ہے۔ ان دونوں درجوں کے بیچ میں ہزاروں درجے ہیں یہاں تک کہ اگر ہزاروں لاکھوں انسانوں کے

---

[1] ۔ غزالی، محمد بن محمد، امام، المنقذ من الضلال، ترجمہ بنام خیر المقال، مترجم، سید ممتاز علی، ص:129

حالات کا موازنہ کیا جائے تو ثابت ہو گا کہ ہر شخص دوسرے شخص سے کچھ نہ کچھ اوصاف میں متفاوت ہے۔

چونکہ نقصان و کمال دونوں کی انتہائی حدیں ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا پایا جائے جو انتہائے کمال کے درجے پر پہنچا ہو۔اب جس شخص میں دونوں قوتیں کامل درجہ میں پائی جائیں اور دوسروں کو بھی کمال کے درجہ تک پہنچا سکتا ہو وہی نبی اور پیغمبر ہے۔[1]

انبیاء کرام کی نبوت کو ماننے کا طریقہ اور صاحب ترجمان القرآن کے تفسیری نکات

امام غزالی نے اوپر مذکورہ جو بات کہی اس چیز کو بیان کرتے ہوئے مولانا ابو الکلام آزاد سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 89 تا 96 کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> قرآن حکیم نے جابجا منکرین حق کے عقائد و اقوال نقل کر کے دو خاص گمراہیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ایک یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں روحانی ہدایت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جو محض ایک انسان کے ذریعے سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔اس لیے ضروری ہے کہ کوئی انسانیت سے بالاتر ہستی ہو۔اس خیال سے دیوتاؤں کے ظہور اور ان کے عجائب آفرینیوں کا اعتقاد پیدا ہوا۔جیسا کہ ہر داعی حق کے منکروں نے یہ بات ضرور کی ما نراک الا بشرامثلنا کہ تم تو ہماری ہی طرح کے ایک بشر ہو تو تمہارا یہ دعویٰ کیسے مان لیں اس طرح مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے:
>
> ﴿ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ﴾[2]
>
> "کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں۔"

دوسری گمراہی یہ کہ سچائی کو خود سچائی میں نہیں ڈھونڈتے۔اچنبھوں کی اور کرشموں کی تلاش میں رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو کوئی سب سے عجیب قسم کی باتیں کر دکھائے وہی سب سے زیادہ سچائی کی بات بتانے والا ہے۔گویا سچائی اس لیے سچائی نہ ہوئی کہ وہ سچائی ہے بلکہ اس لیے کہ عجیب و غریب طرح کے کرشمے اس کے پیچھے کھڑے ہیں۔

چنانچہ یہاں بھی فرمایا:

1۔ نعمانی، شبلی، علامہ، علم الکلام اور الکلام، ص:223

2۔ الفرقان 25 : 7

﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴾ (1)

"اور بلا شبہ ہم نے مختلف انداز میں بار بار بیان کیا ہے (دلائل توحید کو) اس قرآن میں تا کہ وہ نصیحت قبول کریں (بایں ہمہ) سوائے نفرت کے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہ ہوا۔"

مگر یہ باتیں انہی کے دلوں کو پکڑ سکتی ہیں جن کے دلوں میں سچائی کی طلب ہے۔ ورنہ اکثروں کا یہ حال ہے کہ سرکشی میں بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ پھر ان کے انکار اور سرکشی کی باتیں نقل کی ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ وہ کہتے ہیں:

"ہم تو جبھی مانیں گے جب تم اس طرح کر کے دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کے ریگستان میں اچانک ایک نہر پھوٹ نکلے، آسمان کے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں، اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آجائیں، سونے کا ایک بنابنایا محل تیار ہو جائے، تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لا کر ہمارے ہاتھوں میں پکڑاؤ وغیرہ۔"

تو اب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ ان فرمائشوں کے جواب میں تم یہ کہہ دو:

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ (2)

"میرا رب (ہر عیب سے) پاک ہے۔ میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔"

سبحان اللہ! قرآن میں معجزانہ بلاغت کے اس جملہ کے اندر وہ سارے دفتر آگئے جو انکار اور سرکشی کی ان صداؤں کے جواب میں کہے جاسکتے تھے۔

﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ (3)

"میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔"

میں نے یہ نہیں کہا کہ میں آسمانوں کو زمین اور زمین کو آسمانوں میں تبدیل کرنے والا ہوں اور دنیا کی ساری قوتیں میرے اختیار میں ہیں۔ میرا ادعویٰ جو کچھ ہے وہ یہ کہ ایک آدمی ہوں اور پیغام حق پہنچانے والا ہوں۔ پھر تم

1۔ بنی اسرائیل 17: 41

2۔ ایضاً 17: 93

3۔ ایضاً 17:93

مجھ سے اس طرح کی فرمائشیں کیوں کرتے ہو؟

قارئین ذرا اس بات پر غور کریں کہ جس بات پر اصل زور پڑ رہا ہے۔ اگر ایک شخص نے ایک بات کا دعویٰ کیا ہے تو ہم دیکھیں گے کہ اس کا دعویٰ کیا ہے اور اس کے مطابق اس سے دلیل مانگیں گے۔ اگر ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ لوہار ہے تو ہم دیکھیں گے کہ وہ لوہے کی اشیاء بنا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر اس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ طبیب ہے تو ہم دیکھیں گے کہ وہ علاج کرنے میں ماہر ہے؟ اب ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ اس نے دعویٰ تو کیا ہو طبابت کا اور ہم اس سے وہ چیز مانگتے ہوں جو ایک لوہار سے مانگنی چاہیے۔ یہ ایک صریح بے عقلی کی بات ہو گی۔

اب یہ بات یعنی دعویٰ اور دلیل کی مطابقت ایک ایسی قدرتی بات ہے کہ ایک عام آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ اب یہ بات ذہن میں رکھیں اور اس بات پر غور کریں کہ ایک انسان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک رسول ہوں اور پیام حق پہنچانے والا ہوں۔ اب اس کا دعوٰی یہ ہے کہ خدا نے اس پر سچائی کی راہ کھول دی ہے اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلانا چاہتا ہے۔ اب قدرتی طور پر اسکی دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ سچائی کی راہ پر ہے یا نہیں۔ اب اسی راہ پر چل کر سچائی ملتی ہے یا نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دعویٰ تو اس نے سچائی کی راہ دکھانے کا کیا ہو اور ہم اس سے یہ کہیں کہ پہاڑ سونے کا بنا دو یا آسمان پر اڑ کر چلے جاؤ۔ اس طرح خدا کا رسول کہتا ہے کہ میں روح اور دل کی بیماریاں دور کر دیتا ہوں اور اگر ہم طالب حق ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اس کے علاج سے دل کے بیماروں کو شفاء ملتی ہے یا نہیں۔ ٹھیک یہی معنی اس جواب کے ہیں:

﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾[1]

"میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔"

کہ میں نے یہ کب کہا ہے میں آسمان اور زمین کے قلابے ملا دوں گا۔ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ دعوت حق پہنچانے والا ہوں۔ پس اگر طالب حق ہو تو میرا پیام پرکھ لو کہ میرے پاس نسخہ شفاء ہے یا نہیں۔[2]

مذکورہ بالا اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ صاحب ترجمان القرآن نے مذکورہ آیات کریمہ سے ایک نئے انداز

---

[1] ۔ بنی اسرائیل 93:17

[2] ۔ آزاد، ابو الکلام، مولانا، ترجمان القرآن، اسلامی اکیڈمی، 434:2

میں استدلال پیش کیا ہے، جو کہ عقلی تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہے۔ اس قسم کے استدلالات نسلِ نو کے لئے زود فہم بھی ہیں اور اس میں استفادہ کے امکانات بھی زیادہ ہیں۔

حیات انبیاء۔۔۔ سچائی کی دلیل اور مولانا ابو الکلام آزاد کا تجزیہ

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات سامنے آئی کہ کسی بھی نبی کی نبوت ورسالت پر ایمان لانے کے لیے معجزات کا ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اسکی تعلیمات اور اسکے کردار و اخلاق سے اسکی سچائی کا یقین ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے اس سے خارق عادت عجائبات طلب کرنا اس کے دعویٰ حق کو نہ سمجھنا ہے۔ جس طرح کسی نبی کی ہدایات و تعلیمات اسکی نبوت کی عکاسی کرتی ہیں۔ اسی طرح اخلاق و کردار بھی نبوت کی دلیل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

ارشار باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴾[1]

"میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصہ) اس سے پہلے کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے؟"

مولانا آزاد اس آیت کی تفسیر میں اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صداقت نبوت کی سب سے زیادہ واضح اور وجدانی دلیل بیان کی ہے۔ فرمایا ساری باتیں چھوڑ دو۔ صرف اسی بات پر غور کرو کہ میں تم میں نیا نہیں۔ جس کے حالات و خصائل سے تمہیں خبر نہ ہو۔ میں تمہی میں سے ہوں۔ اور اعلان نبوت سے پہلے ایک پوری عمر تم میں بسر کر چکا ہوں۔ اس تمام مدت میں میری ساری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس تمام عرصہ میں کوئی بھی بات تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی؟ پھر اگر اس تمام مدت میں اگر مجھ سے نہ ہوا کہ میں کسی انسانی معاملہ میں جھوٹ بولوں تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ خدا پر بہتان باندھنے کے لیے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں کہ مجھ پر اسکا کلام نازل ہوتا ہے کیا ایسی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ پارہے؟"

تمام علماء و اخلاق و نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ انسانی زندگی کے ابتدائی چالیس برس اس کے اخلاق

---

[1] ۔یونس 10 : 16

وخصائل کے ابھرنے اور بننے کا ایک اصلی زمانہ ہوتا ہے۔ جو سانچہ اس عرصہ میں بن گیا وہ بعد میں ساری زندگی نہیں بدل سکتا۔ پس اگر ایک شخص چالیس برس تک صادق اور امین رہا ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اکتالیس برس میں قدم رکھتے ہی ایک ایسا کذاب اور مفتری بن جائے کہ انسانوں پر ہی نہیں اللہ پر بھی افتراء باندھنے لگے؟

چنانچہ اس کے بعد فرمایا کہ دو باتوں کا انکار تم نہیں کر سکتے۔ ایک وہ شخص جو اللہ پر افتراء کرے اس سے بڑھ کر کوئی شریر نہیں اور جو صادق کو جھٹلائے وہ اس سے بھی زیادہ شریر انسان ہے اور شریر اور مفتری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اب صورتحال نے یہاں دو فریق پیدا کر دیے ہیں۔ اگر میں مفتری علی اللہ ہوں تو مجھے ناکام ہونا پڑے گا۔ اگر تم سچائی کے مکذب ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ مجرموں کو فلاح نہیں دیتا۔ چنانچہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو گیا جو مکذب تھے ان کا نام و نشان مٹ گیا اور جو صادق تھا اس کا کلمہ صدق آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔[1]

یقیناً جو چیز فرد بشر کو حیات جاوداں عطا کرتی ہے وہ اس کی سچائی اور صداقت ہی ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے صدق کو باعث نجات قرار دیا گیا ہے۔ سچائی کی عظمت کے لئے فقط یہی استدلال کافی ہے کہ اسے نبوت کی دلیل بنایا گیا ہے۔

نبوت اور رسالت محض عطیہ الٰہی

نبوت ورسالت کوئی اکتسابی شے نہیں جو مجاہدات وریاضت سے حاصل ہو سکے، یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور یہ اسے ہی ملتا ہے جسے اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾[2]

"اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو۔"

اسی طرح ارشاد فرمایا:

﴿ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

[1] ۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا، ترجمان القرآن، 2:207

[2] ۔ الانعام 6 : 124

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ﴾[1]

"بلند درجات پر فائز کرنے والا، عرش کا مالک، نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔"

جس طرح نوع انسانیت اور نوع ملائک کی انسانیت اور ملکیت مکتسب نہیں اسی طرح نوع انبیاء ومرسلین کی نبوت ورسالت بھی مکتسب نہیں۔

ہدایت وحی کا مقصد اور اس کی ضرورت

تمام دنیامیں جس طرف بھی نظر ڈالتے ہیں ہمیں ہر طرف ایک عظیم اختلاف نظر آتا ہے۔ ایک ہی فعل ہوتا ہے مگر ایک شخص اس کو مستحسن سمجھتا ہے اور دوسرا قبیح۔ اب نامعلوم کہ اللہ کے نزدیک وہ حسن ہے یا قبیح اور پھر اسکی کونسی صورت خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے اور کونسی ناپسندیدہ۔ اب عقل اس بات سے قاصر ہے کہ ٹھیک ٹھیک کسی چیز کا حسن و قبح بتلا سکے۔ اس لیے ہر انسان کو اپنی اپنی اغراض پیش نظر ہوتی ہیں اور وہ دوسروں کے اغراض ومقاصد سے بے خبر ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بہت ممکن ہے کہ غلبہ ھوٰی اور حب غرض کی وجہ سے کسی شئے کو مستحسن سمجھ کر واجب قرار دے اور خلاف غرض شئے کو قبیح سمجھ کر ناجائز اور حرام بتلائے اور دوسرا شخص اپنی غرض کی وجہ سے اس کا عکس سمجھے۔

عقل کی مثال تو اس ترازو جیسی ہے جس سے سونا اور جواہرات تولے جائیں۔ اگر اس ترازو سے سونے اور چاندی کا وزن معلوم کرنا چاہو تو صحیح وزن معلوم کر سکتے ہو مگر اگر اس ترازو سے پہاڑوں کو تولنا چاہو تو یہ ناممکن اور محال ہے۔ اسی طرح اس عقل سے اس کے دائرہ کی چیزیں معلوم ہو سکتی ہیں، لیکن اگر یہ چاہو کہ اس بے چاری اور کمزور عقل سے اللہ تعالیٰ ذات وصفات اور عالم غیب اور عالم ملکوت کی چیزوں کو معلوم کرلو تو یہ امر محال ہے۔

انسان کی عقل محدود ہے اپنی حد سے زائد ادراک نہیں کر سکتی۔ معاذاللہ اگر عقل کا ادراک غیر محدود اور غیر متناہی ہو جائے تو پھر عقل کے ادراکات وعلوم اور اللہ تعالیٰ کے علوم وادراک میں کیا فرق رہ جائے گا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] ۔ المؤمن 40 : 15

﴿ وَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴾ [1]

"اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر تھوڑا سا۔"

پس وہ لطیف و خبیر کہ جس کے ادراک سے ابصار اور بصائر سبھی قاصر اور عاجز ہیں۔ اس کی رضا اور عدم رضا بغیر اس کے بتلائے ہوئے کیسے معلوم ہو سکتی ہے اور پھر سلاطین عالم کو جب اس متاع قلیل پر اس قدر ناز ہے کہ وہ اپنے احکام ہر کس و ناکس سے نہیں کہتے پھرتے حالانکہ وہ اسی کے ہم جنس اور ہم نوع ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ اپنے وزراء کے ذریعے پیغام دیتے ہیں تو کیا اس احکم الحاکمین کے شان کے مناسب ہو سکتا ہے کہ وہ ہر کسی کو منہ لگائے۔ یقیناً وہ احکم الحاکمین بھی اپنے مقربین کے توسط سے اپنے قوانین و احکام کی اطلاع دے گا۔ ایسے حضرات کو اہل اسلام انبیاء و رسل اور پیغمبران خدا کہتے ہیں۔

ہدایت وحی کی اسی ضرورت اور حکمت کو بیان کرتے ہوئے مولانا آزاد سورہ نحل کی آیت نمبر 64 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَہُمُ الَّذِی اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ ۙ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴾ [2]

"اور نہیں اُتاری ہم نے آپ پر یہ کتاب مگر اس لیے کہ آپ صاف صاف بیان کر دیں اُن کے لیے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور یہ (کتاب) سراپا ہدایت اور رحمت ہے۔ اس قوم کے لیے جو ایماندار ہے۔"

قرآن نے جابجا کہا کہ ہدایت وحی کا ظہور تبیینِ حقیقت اور رفع اختلاف کے لیے ہوتا ہے یعنی جن باتوں کو انسان اپنی عقل و ادراک سے نہیں پا سکتا اور اس لیے طرح طرح کے اختلافات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کوئی کچھ سمجھنے لگتا ہے کوئی کچھ۔ تو اس وقت وحی الٰہی نمودار ہوتی ہے تاکہ ان اختلافات کو دور کر دے اور بتلا دے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ یہ باتیں کونسی ہیں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ جن کا اختلاف بغیر اس کے دور نہیں ہو سکتا کہ کتاب الٰہی آئے اور پردہ اٹھا دے۔ اس میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جو انسان کی عقل و ادراک کی سرحد سے ماورا

---

[1] ۔ بنی اسرائیل 17 :85

[2] ۔ النحل 16 : 64

ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی، عالم معاد کے حالات وواردات، جزائے عمل کا قانون اور عالم غیب کے وہ تمام حقائق جن کے اعتقاد و عمل کی درستگی سے روحانی سعادت کی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔ انسان جب کبھی اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہو کر قدم اٹھاتا ہے تو اختلافات کی تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ لیکن جونہی اس روشنی کی نمو میں آجاتا ہے حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور ہر طرح کے اختلافات معدوم ہو جاتے ہیں۔[1]

وحی الٰہی ہی انسان کے لئے راہِ ہدایت اور مشعلِ راہ ہے۔ اس کے بغیر انسان تاریکیوں کے قعرِ مذلت میں بھٹکتا رہتا ہے اور گم گشتہ راہ ہو جاتا ہے۔ اسی حقیقت کی جانب غمازی کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے ما قبل اقتباس میں اشارہ کیا ہے۔

بارش سے نبوت کی ضرورت پر استدلال اور صاحب ترجمان القرآن کی توجیہ

پھر اس کے بعد سورۃ روم میں فرمایا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾[2]

"اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پس اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان پر جس طرح چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اسے ٹکڑے ٹکڑے۔ پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ وہ ٹپکنے لگتی ہے اس سے پھر جب پہنچاتا ہے اسے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں۔"

اسی طرح مولانا آزاد نبوت کو بارش سے تشبیہ دیتے ہوئے بارش سے نبوت کی ضرورت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اوپر رسولوں کا تذکرہ تھا اور یہاں بارش بھیجنے کا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول

1۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا، ترجمان القرآن، 385:1

2۔ الروم 30 :48

کی آمد بھی انسان کی اخلاقی اور روحانی زندگی کے لیے ویسے ہی رحمت ہے جیسے اسکی مادی اور معاشی زندگی کے لیے بارش کی آمد۔بارش سے اگر زمین زندہ ہوتی ہے اور لوگوں کی مادی زندگی میں انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے تو رسول کی آمد سے بھی انسانوں کے دلوں کی کھیتیاں سرسبز ہوجاتی ہیں۔اب ضرورت اس بات کی ہے کہ جس نے تمہاری جسمانی ضروریات کا بندوبست کیا ہے۔اسکی ربوبیت کا تقاضایہ ہے کہ تمہاری روحانی اصلاح کا بھی بندوبست کرے۔"[1]

نبوت اور سچائی لازم وملزوم

احکم الحاکمین اپنی خلافت اور وزارت کے لیے انبیائے کرام کو منتخب فرماتا ہے۔مگر چونکہ وہ علیم وخبیر اور علیم بذات الصدور بھی ہے اس لیے وہ اپنی نیابت کے لیے ایسے ہی اشخاص کو منتخب فرماتا ہے کہ جو ظاہر اور باطن ہر طرح سے سچائی کے پیکر اور خدا کے مطیع اور فرمانبردار ہوں،پورے مخلص اور جانثار ہوں۔یہ ناممکن اور قطعاً محال ہے کہ وہ علیم وخبیر ایک ایسے شخص کو وزارت کے لیے منتخب فرمائے جو ظاہراً تو اس کا مطیع اور باطناً اس کا نافرمان ہو۔یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں اور کبھی مرتبہ نبوت اور منصب رسالت سے علیحدہ نہیں کیے جاتے۔

مولانا آزاد سورۃ انبیاء کی آیت نمبر 63 کی تفسیر میں نبوت اور سچائی کو لازم وملزوم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴾[2]

"فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی سو ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہیں۔"

نبی کا سب سے بڑا وصف جو قرآن نے بتلایا ہے وہ اسکی سچائی ہے۔نبوت ایک سیرت ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے اور صرف سچائی ہی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے۔ایک نبی کسی بات سے عاجز نہیں ہوتا۔مگر اس بات سے کہ سچ نہ بولے۔حقیقت اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے خواہ کسی درجے میں ہو نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔اگر نبوت ہو گی تو سچائی بھی ہو گی اور اگر سچائی نہیں ہے تو نبوت بھی نہیں ہے پس انبیاء کرام کی سچائی اور

---

[1] ۔ آزاد،ابوالکلام،مولانا،ترجمان القرآن،3:202

[2] ۔ الانبیاء 21 : 63

عصمت یقینیات دینیہ وعقلیہ میں سے ہے۔[1]

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ جس طرح سلاطین عالم کے وزراء باوجود عظیم تقرب کے شہنشاہیت میں شریک نہیں سمجھے جاتے، ہاں بار گاہ سلطانی میں کسی کی سفارش کرسکتے ہیں، اسی طرح انبیاء کرام بھی خدائی میں شریک نہیں ہوتے صرف بار گاہِ ایزدی میں اِذن واجازت کے بعد کسی کی سفارش فرماسکتے ہیں، اِسی کا نام اہل اسلام کے نزدیک شفاعت ہے۔ مولانا آزاد اس بات کی وضاحت اپنی کتاب بنام **"فلسفہ"** میں **"مقام نبوت کی حد بندی"** کے عنوان سے اس طرح بیان کرتے ہیں:

> سب سے زیادہ اہم مسئلہ مقام نبوت کی حد بندی کا تھا یعنی معلم کی شخصیت کو اس کی اصلی جگہ پر محدود کر دینا تاکہ شخصیت پرستی کا ہمیشہ کے لیے سدِ باب ہو جائے۔ اس بارے میں قرآن نے جس طرح صاف لفظوں میں جابجا پیغمبر اسلام کی بشریت اور بندگی پر زور دیا ہے محتاج بیان نہیں۔ اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے وہ ہے:
>
> اشهد ان لااله الاالله واشهد ان محمدًا عبده ورسوله
>
> اس اقرار میں جس طرح توحید کا اعتراف کیا گیا ہے اسی طرح پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجہ رسالت کا بھی اعتراف ہے۔ ایسا کیوں کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجہ رسالت کا اعتقاد اسلام کی اساس بن جائے اور اس کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہے کہ عبدیت کی جگہ معبودیت کا اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا ہو۔"[2]

خلاصۂ بحث

انبیاء کرام کے علوم کلی بھی ہوتے ہیں اور جزوی بھی۔ فعلی بھی ہوتے ہیں اور افعالی بھی۔ فطری بھی ہوتے ہیں اور اقتصادی بھی۔ انبیائے کرام قوت ملکیہ اور قوت علمیہ سے علوم کلیہ کا ادراک فرماتے ہیں اور حواس ظاہرہ سے علوم جزئیہ کا ادراک کرتے ہیں۔ نیز جب انبیائے کرام عالم ملکوت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اس وقت ان کو علوم کلیہ فطری طور پر دفعتاً حاصل ہوتے ہیں اور جب وہ عالم شہادت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو تدریجی طور پر

---

[1]۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا، ترجمان القرآن، 580:2

[2]۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا، فلسفہ، اصول ومبادی اور نشوو ارتقاء، مکتبہ جمال لاہور، 2013ء، ص:174

حواس ظاہرہ کے ذریعے سے علوم جزئیہ کا اکتساب فرماتے ہیں۔ نیز انبیاء کرام بشریت اور ملکیت دونوں کے جامع ہوتے ہیں اور انکی قوت ملکیہ اور روحانیت ملائکہ کی روحانیت سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ انبیائے کرام خود تو کامل ہوتے ہی ہیں، لیکن ساتھ ساتھ ان میں کامل بنانے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔ وہ خود نہ صرف سچے ہوتے ہیں بلکہ سچائی کا معیار انہی کی ذات سے قائم ہوتا ہے۔ انبیاء کرام کا ذریعہ علم براہ راست وحی الٰہی ہوتی ہے اور وہ دنیا کے کسی استاد کے محتاج نہیں ہوتے اس لیے ان کی تعلیمات کا انکار حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے قوانین سے مخالفت کرنا ہے۔ مولانا آزاد نے ان تمام پہلوؤں پر بڑی گہری نظر سے کلام کیا ہے۔ جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ نہ صرف وہ ایک سیاستدان اور صحافی تھے بلکہ ایک اعلیٰ پائے کے متکلم بھی تھے۔